

پریشگر

ہر انسان، ملک اور خطے میں کسی نہ کسی صورت میں تعصبات موجود ہوتے ہیں۔ انکی ہزار ہا بلکہ ان گنت فسمیں ہیں۔ یہ جذبے انسانوں کی زندگی کو پوری طرح کنٹرول کرتے ہیں اور عملی زندگی میں لوگ انہی ڈینی تعصبات کے غلام بنکر سانسیں پوری کرتے ہیں۔ دوسرا طرف، یہ بھی انتہائی اہم نکتہ ہے کہ "صنعتی انقلاب" کے بعد مغربی دنیا نے پرانے طرزِ زندگی اور قدیم سوچ کو بے دریغ چینچ کیا۔ ان قوموں نے اپنی غلطیوں سے سیکھنے کے عمل کو بے حد اہمیت دی۔ چنانچہ ایک سے ڈیڑھ صدی کی فکری، علمی اور سماجی جدوجہد کے بعد انکے موجودہ معاشرے کافی حد تک غیر متعصب ہو چکے ہیں۔ کافی حد تک کالفظ احتیاط کیلئے استعمال کر رہا ہوں۔ ورنہ کئی ممالک تو عملی طور پر ہر طرح کے تعصبات سے اوپر جا چکے ہیں۔ سویڈن، ڈنمارک، آئس لینڈ اور ناروے بہت عمدہ مثالیں ہیں۔

جب میں اپنے ملک یعنی پاکستان کی طرف دیکھتا ہوں تو اس معاشرے میں پوری دنیا کے مخالف رجہنات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ریل کے وہ ڈبے ہیں جو انہیں سے علیحدہ ہو کر ٹرین کی مخالف سمت میں تیزی سے دوڑ رہے ہیں اور اپنی سمت کو انہیں کی سمت سمجھ رہے ہیں۔ کسی دلیل یا تجربے کو اپناۓ بغیر اپنی روشن کوہی درست سمجھ رہے ہیں۔ اس وقت پاکستان ان چند بد قسم ممالک میں شامل ہے جو پوری دنیا سے علیحدہ اور بالکل مختلف ہونے پر فخر کر رہا ہے۔ تمام ممالک سے کٹا ہوا یہ ملک کامیابی کا کون سا ماذل ہے، اس پر آج بھی سوالیہ نشان ہے۔ سعودی عرب جیسا غیر لپکدار ملک بھی دنیاوی رجہنات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس جیسا ملک بھی سوسائٹی میں بنیادی تبدیلیاں کر رہا ہے۔ مگر ہمارے ملک نے تور یورس گیئر میں چنان شروع کر دیا ہے۔ پاکستان اپنی زندگی کے پہلے تین سال، پوری دنیا کیلئے ترقی کا ایک ماذل سمجھا جاتا تھا۔ ایک ایسا جدید ملک جو پورے خطے میں روشن خیال رجہنات کی علامت تھا۔ یورپ اور مشرق وسطیٰ کے امیر لوگ چھٹیاں گزارنے کر اپنی اور لا ہور آتے تھے۔ مگر ہم دنیا کی واحد قوم ہیں جس نے جہالت اور تاریکی کی طرف سفر کو اپنا مقدار بنایا اور پھر عذاب درعذاب، اسکو اپنے قومی رویے میں تبدیل کر دیا۔ کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ عملی طور پر ہم نے اپنے علاقائی تھواروں کو بھی بر باد کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس منفی کام میں بھرپور کامیابی حاصل کی ہے۔ "بسنٹ" جیسا بے ضرر تھوا ر بھی لو ہے کی ڈور، گردنوں کے کٹنے اور ریاستی نابالغ پن کا شکار ہو گیا۔ دراصل ہمارا حکومتی فیصلہ یہ ہے کہ قوم کو خوش رہنے یا جائز طریقے سے اظہارِ مسرت کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسے نہہب کی عینک سے دیکھ کر گناہ اور ثواب کے پلڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جب ملاشیا، انڈونیشیاء، دوبئی، الجیریا، موروکو اور دیگر اسلامی ملکوں کی مثال دی جاتی ہے تو دلیل کی بجائے ایک درشت ترین رائے یا فتویٰ آنے کا خوف لاحق ہو جاتا ہے۔

شرع شروع میں خیال تھا کہ تعلیم انسانی رویوں کو مجذب نہیں ہونے دیتی۔ یہ کافی حد تک درست بات ہے مگر مکمل طور پر قطعاً درست نہیں۔ اردو گردنظر دوڑا یئے۔ بہترین تعلیم یافتہ لوگ بھی انتہائی مشکل رویوں کے مالک ہیں۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ "تعلیم" کی اصل تعریف کیا ہے۔ کیا بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کرنے کے بعد انسان تعلیم یافتہ ہو جاتا ہے۔ تعلیمی درس گاہوں میں جائیے۔ آپکو اعلیٰ

تعلیم یافتہ لوگ نظر آئنگے جو اپنی ذہنی فکر کے مخالف ہر فلک کو ادنیٰ گردانتے ہیں۔ پوری عمر غیر متعصب سوچ کے حامل ہی نہیں ہو سکتے۔ انکے نزدیک وہ جو فرمارہے ہیں، صرف وہی درست ہے۔ کسی کو اجازت ہی نہیں دیتے کہ ان سے دلیل پربات کرنے کی جرأت کر لے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ تعلیم میں بھی ذہنی کشادگی کو ذریعہ ابلاغ نہ بنایا جائے تو وہ بھی کسی کام کی نہیں۔ صرف نوکری حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اصل مغزیہ ہے کہ "تہذیب" بنیادی طور پر انسانوں کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہے۔ سماجی، دینی، اقتصادی اور دیگر عملی رویوں کو ترتیب بھی دیتی ہے اور ترقی کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مہذب ہونا اور چیز ہے اور تعلیم یافتہ ہونا کچھ اور۔ ان میں بے حد جو ہری فرق ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ 1977 تک ہمارا علاقہ قدرے متوازن ملک تھا۔ مگر چار سے پانچ دہائیوں میں ہر چیز کو ایک "خاص سوشل انجینئرنگ" کے تحت بدلا گیا ہے۔ ہمارے عظیم مذہب کے جہادی پہلوکو ایک سیاسی سوچ بنائیں کر سامنے لایا گیا ہے۔ نتیجہ سامنے ہے کہ پورا ملک ایک فلکی قبرستان بن چکا ہے۔ ہم بین الاقوامی سطح کا کوئی سائنسی، سماجی، مذہبی اور اقتصادی سائنسدان پیدا نہیں کر سکے۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ ایک اور عمل بھی ہوتا رہا، بلکہ تو اتر سے جاری ہے۔ ہم نے ہر جگہ، ہر مقام اور ہر مرحلے پر "آزاد سوچ" کو طاقت سے دبائے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گئے۔ اندازہ فرمائیے کہ لبرل سوچ کے کتنے افراد اس سماج میں خوف کے بغیر رہ سکتے ہیں۔ لکھ سکتے ہیں۔ اپنا بیانیہ لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ ڈر کے بغیر مناظرے اور مباحثے کر سکتے ہیں۔ ایک بھی نہیں یا شائد بہت کم۔ رِ عمل یہ ہوا کہ ہم زندگی کے ہر جزو میں منافق ہو چکے ہیں۔ کہتے کچھ اور ہیں اور عملی طور پر کرتے بالکل متفاہد ہیں۔ اس رِ عمل نے ہمیں نہ صرف تباہ کر دیا ہے بلکہ اقوام عالم میں ہمیں تمثیلہ بنادیا گیا ہے۔

ایک رویہ مثال کے طور پر آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہمارے معاشرے میں لڑکی کو اپنی پسند کی شادی کرنے کی کملہ آزادی حاصل نہیں ہے۔ اپنی برادری، اپنا خاندان، اپنا عقیدہ ہر طرح سے بالاتر ہے۔ جو پاکستانی بچیاں مغربی ممالک میں رہ رہی ہیں، انکے سوچنے کا انداز ہمارے رجھان سے بالکل مختلف ہے۔ مغرب میں شادی دراصل مکمل ذہنی ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے۔ یہ ایک دن یا ایک پل میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ لڑکا اور لڑکی کافی عرصے تک ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں اور پھر اثبات یا انکار ہوتا ہے۔ مگر عملی طور پر ہمارے ملک سے مغربی ممالک میں مقیم لوگ اس بنیادی حق کو استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتے۔ اگر کوئی لڑکی، مغربی لڑکے سے شادی کر لے تو انجام صاف ظاہر ہے۔ اس لڑکی کو بہلا پھسلا کر پاکستان لایا جاتا ہے۔ پھر بے دردی سے قتل کر کے کسی حادثے کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے کچھ واقعات تو سامنے آ جاتے ہیں۔ مگر سینکڑوں ایسے بھی انک واقعات ہیں، جو کبھی سامنے نہیں آتے۔ یہ ایک عملی، سماجی رویہ ہے کہ روایات سے معمولی سی بغاوت کی سزا بھی موت ہے۔ ایک ایسی موت جس پر قریبی رشتہ دار اعلان کیے بغیر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں اس طرح کے پُر تشدد واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ پُر تشدد سماجی رویہ تبدیلی کے بغیر مسلسل پنپتار ہتا ہے۔ کبھی یہ جہلم میں نظر آتا ہے تو کبھی آزاد کشمیر میں۔ کبھی منڈی بہاؤ الدین میں اور کبھی لندن یا فرانس میں۔ بلکہ یہ قتل عام تو ہر جگہ ہو رہا ہے۔ یہ صرف ایک سماجی رویہ ہے۔ اسکے علاوہ ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں مثالیں ہیں۔

آپکے لیے شائد حیرانگی کا باعث ہو کہ ہماری درسگاہیں تو ایک طرف، عملی زندگی بھی ایک طرف، ہمارے میڈیا میں بھی آزاد سوچ

پر مکمل پابندی ہے۔ کوئی اخبار، کوئی چینل یہ جسارت ہی نہیں کر سکتا کہ بین الاقوامی رجھانات کے حساب سے ایک بیانیہ تشكیل دینے کی کوشش کرے۔ یہاں انسانوں سے لیکر ہر ادارہ خوف ذدہ ہے کہ کہیں کچھ ہونے جائے۔ کوئی مختلف سوچ والا بندہ نقصان نہ پہنچادے۔ مگر اس خوف سے نکلا از حد ضروری ہے۔ ورنہ معاملہ یہیں کا یہیں رہیگا۔ تکلیف سے اعتراض کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہمسایہ ملک نے تمام تر مشکلات کے باوجود اپنے سماج، سوسائٹی اور فکر کو کھولنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ آج دنیا میں ہر طریقہ سے کامیاب ہیں اور ہم ایک تمثیر سے زیادہ اہمیت کے حامل نہیں۔ وہاں، انکے اہل علم، سینہ تان کر کہہ سکتے ہیں کہ مقبولہ کشمیر میں بھارتی فوج انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ وہاں اروان دتارائے جیسی عظیم خاتون، مقبولہ کشمیر جا کر آزادی کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہندو ہونے کے باوجود وہ مسلمانوں کے حقوق کیلئے آواز اٹھاتی ہے۔ کیا اس طرح کی آواز ہماری سوسائٹی میں پنپ سکتی ہے۔ کیا یہاں متضاد آواز کو دبائیں دیا جائیگا۔ ہمارے رویے اس قدر جانبدار اور ادنیٰ ہیں کہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی کسی بھی آزاد اصول کیلئے آواز بلند نہیں کر سکتے۔ ہم مکمل طور پر بے معنی لوگ ہیں اور دکھ، اس بات کا ہے کہ عالمی سطح پر بھی بے معنی قرار دیے جا پکے ہیں۔ ایک ایسا ملک جس کا کوئی دوست نہیں ہے۔ چین تک ہم سے پوچھتا ہے کہ اسکے علاقوں میں مذہبی تعصبات کیونکر پھیلا یا جا رہا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ پوری دنیا میں کوئی بھی ہم پر یقین کرنے کیلئے تیار نہیں۔

بے بنیاد تھببات ہماری ترقی کیلئے زہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے نفرت کے پودوں کو زہر کی کھاد فراہم کی ہے۔ بے اعتدالی اور منافقت کے ایسے جنگل اگادیے ہیں جس میں ہر طرف کا نٹ اور زہر آلو دپھل ہیں۔ کسی ادارے یا مقتدر شخص میں ہمت نہیں کہ وہ عمومی رویوں کی جگہ دلیل سے ترتیب دیے ہوئے رویوں کی آبیاری کرے۔ اگر معاملات اسی طرح چلتے رہے تو بین الاقوامی قوتیں ہمارا جغرافیہ تبدیل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ کوئی ہماری مدد کو نہیں آئیگا۔ ویسے کسی کوئی محفوظ رکھنے میں دچپسی بھی نہیں ہے۔ متعصب رویوں نے پوری قوم کو ایک پریشر گر میں تبدیل کر دیا ہے۔ باسیں کروڑ لوگوں میں ہر انسان ہلکی آنچ پر جل رہا ہے مگر یہ کہنے کو تیار نہیں کہ آگ کو بچائیے تاکہ زندگی واپس لوٹ آئے۔ شاکر ہمیں پریشر گر میں رہنے پر مجبور کیا گیا ہے اور اب ہم اس میں سے باہر نکلنے کو ہرگز ہرگز تیار نہیں!

راو منظر حیات

